قومی تعلیم

تعلیم کے کام سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہر ذہن کی تربیت تمدن کی ہر چیز سے نہیں ہوتی۔ جس طرح ہر جسم کو ایک غذا نہیں بھاتی، اس سے کہیں زیادہ ہر ذہن کو ہر ذہنی غذا بھی نہیں پچتی۔ بچہ جس سماج میں پیدا ہوتا ہے اس کے تمدن سے نسلی تعلق کی وجہ سے ہی اس کے ذہن میں کچھ مناسبتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس لیے خود اپنے سماج کے تمدن کی چیزوں سے اس کے ذہن کی بہتر تربیت ہو سکتی ہے۔ تربیت پا جانے، ترقی کر چکنے کے بعد ذہن سماج کی دوسری چیزوں کو بھی اپنا سکتا اور ان سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مگر شروع میں اپنی موروثی مناسبت کی وجہ سے ایک صورت میں بڑی آسانی اور دوسری میں بڑی دشواریاں ہوتی ہیں اس سے ہر وہ شخص جو تعلیم کے صحیح مقصد کو سمجھتا ہے اس بات پر مجبور ہے کہ بڑی حد تک ذہن کی تربیت کے لیے خود اس سماج کی تمدنی چیزوں سے کام لے جس سے طالب علم کا تعلق ہے، ورنہ اس کی کوشش کے اکارت جانے کا ڈر ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خود تعلیم کی ماہیت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم قومی تعلیم کا نظام قائم کریں۔

قومی تعلیم کے تعلق سے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ماہرین تعلیم کو ملک کی مختلف مذہبی اور جغرافیائی جماعتوں کے علیحدہ علیحدہ یا بالکل ایک سے نظام کے متعلق غور کرنا چاہیے۔ لیکن اگر ان کا فیصلہ یہی ہو جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے تو ایک اور مشکل سوال کا حل انھیں سوچنا پڑے گا یعنی اس طرح اجزا کو تمدنی آزادی دے کر وہ متحدہ قوم اور اس کی ریاست کو کمزور تو نہیں کر دیں گے۔ اس لیے کہ اگر اجزاء کی اس آزادی کے ساتھ ہی کل کے ساتھ محبت کا نہایت مضبوط رشتہ قائم نہ ہوا تو بے شک یہ آزادی کل قوم کے لیے کمزوری اور بعض حالات میں ہلاکت کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہمارے قومی نظام تعلیم کو اس مرکزی خیال کی ترویج کرنا ہوگی کہ جس طرح افراد کی ذہنی نشو و نما اور شخصیت کی تکمیل کا یہی راستہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے سماج کے تمدن سے نشو و نما دیں اور اس کی خدمت کو اپنی ترقی کا ذریعہ جانیں اس طرح ہمارے بڑے ہندوستانی سماج میں جو جو جماعتیں اور چھوٹے چھوٹے سماج ہیں ان میں بھی یہ عقیدہ نہایت پختہ ہونا چاہیے کہ وہ بھی بہ حیثیت جماعت اس وقت پوری ترقی کر سکتی ہیں

جب کہ بڑے سماج کا اپنے کو خادم جانیں۔ اس کی بھلائی میں اپنی بھلائی اور اس کی برائی میں اپنی برائی دیکھیں۔ اس عقیدہ کا پیدا کرنا اگر سیاسی نظام کی خوبی پر منحصر ہے تو بہت حد تک نظام تعلیم پر بھی مبنی ہے۔

اور یہی کیا ایسے بے شمار سوال ہیں جن پر ہندوستان کے بہترین دماغوں کو غور کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ مثلاً اگر ہمارا تعلیمی نظام ہمارے ہاتھ میں ہو تو اس وقت بھی کیا مدرسے صرف کتابیں پڑھا دینے کے لیے قائم ہوا کریں گے اور ان کا مقصد بھی تندرست اچھے سچے آدمی پیدا کرنے کی جگہ چلتے پھرتے کتب خانہ پیدا کرنا ہوگا یا مختلف صلاحیت والوں کے لیے مختلف قسم کے مدرسے ہوں گے جس میں ابتدائی تعلیم کے بعد بچے بھیجے جا سکیں گے اور اپنے خاص ذہنی رجحان کے مطابق تعلیم پائیں گے؟ کیا اس وقت بھی مدرسوں کو بس اس سے سروکار ہوگا کہ علم سکھا دیا لیکن علم کے برتنے اور سیرت پر اثر انداز ہونے کا کوئی سامان نہ ہوگا؟ کیا اس وقت بھی ہمارا نصاب ایسا ہی چوں چوں کا مربہ ہوگا جیسا کہ اب ہے؟ کیا اس وقت بھی پیشہ اور عام تعلیم کو بالکل الگ الگ رکھا جائے گا، یا پیشہ کی تعلیم کا ایسا انتظام ہو سکے گا کہ وہی عام تعلیم کی مضبوط بنیاد ثابت ہو؟ غرض یہ اور ان جیسے ان گنت مسائل ہیں جن کا ذکر کرکے میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اتنا بھی صرف اس لیے ذکر کیا کہ یہاں ایک بڑے قومی ودیا پیٹھ کے کارکن جمع ہیں، انھیں اس طرف توجہ دلانے سے شاید اس بات کا موقع مل سکے کہ ہمارے تعلیمی کام کرنے والے ان مسئلوں پر غور کریں اور اپنی تحقیق کے نتائج کو قومی تعلیم کے کسی ادارے کی طرف سے شائع کر سکیں، تا کہ ہوتے ہوتے سب کے سوچ وچار سے قومی تعلیم کا ایک صحیح پروگرام تو تیار ہو جائے۔ اور اگر کل نظام کو ناموافق حالات کی وجہ سے رائج نہ کیا جا سکے تو کم سے کم ابتدائی تعلیم کے مسئلہ کو طے کرنے کے بعد نمونہ کے مدرسے قائم کیے جائیں اور کم سے کم تعلیم کی اس بنیادی منزل کو میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں ہی کے ذریعہ درست کرنے کی تدبیر کی جائے۔

قومی تعلیم کے اسی سوچ نے ہماری قوم میں بڑی بیداری پیدا کی ہے اور قومی زندگی کے مختلف شعبوں نے اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ جب اس بیداری کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس زمانہ میں قومی تعلیم گاہوں کا قیام ہماری قومی زندگی کے لیے شاید سب سے زیادہ اہم واقعہ تسلیم کیا جائے گا۔

لفظ و معنی

قومی بیداری — عقل و شعور کے لحاظ سے قوم کا جاگنا

تسلیم کرنا	۔	مان لینا
تعلیم گاہ	۔	تعلیمی ادارہ
خادم	۔	خدمت کرنے والا
ضائع کرنا	۔	برباد کرنا
مختلف	۔	الگ الگ
تدبیر	۔	اُپائے
رائج کرنا	۔	رواج دینا
ناموافق	۔	موافق نہ ہونا، پریشان ہونا
کارکن	۔	کام کرنے والے
پیشہ	۔	کام کرنا
اثر انداز ہونا	۔	اپنا اثر ڈالنا
سروکار	۔	مقصد، تعلق
سوچ وچار	۔	غور وفکر
عقیدہ	۔	پختہ فکر وخیال
مبنی	۔	بنیاد پر
منحصر کرنا	۔	بھروسہ کرنا
مسائل	۔	مسئلہ کی جمع، پریشانی
نتائج	۔	نتیجہ کی جمع
نظامِ تعلیم	۔	تعلیم دینے کا طریقہ
بے شمار	۔	ان گنت

آپ نے پڑھا

- ڈاکٹر ذاکر حسین نے قومی وِدیا پیٹھ کے جلسے میں جو خطبہ دیا وہ آپ نے گذشتہ صفحات میں پڑھا۔
- ڈاکٹر ذاکر حسین نے قومی تعلیم کے سلسلے میں مختلف سطحوں پر غور وفکر کا مشورہ دیا ہے تاکہ ایک یکساں پروگرام تیار ہو جائے۔ اس سلسلے میں ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسوں کے قیام کی تجویز بھی پیش کی گئی ہے۔

آپ بتائیے

1. ڈاکٹر ذاکر حسین کا تعلق کس گھرانے سے تھا؟
2. ذاکر حسین کے والد کس پیشے سے تعلق رکھتے تھے؟
3. ڈاکٹر ذاکر حسین کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟
4. ذاکر حسین کس صوبہ کے گورنر رہے؟
5. ڈاکٹر ذاکر حسین انتقال کے وقت کس عہدے پر فائز تھے؟
6. ذاکر حسین کا انتقال کب ہوا؟

مختصر گفتگو

1. ڈاکٹر ذاکر حسین کا مختصر خاندانی پس منظر بیان کیجیے۔
2. قومی تعلیم کے موضوع پر پانچ جملے لکھیے۔
3. ماہر تعلیم کی حیثیت سے ڈاکٹر ذاکر حسین کا تعارف پیش کیجیے۔

تفصیلی گفتگو

1. قومی تعلیم کے موضوع پر ایک مضمون سپرد قلم کیجیے۔
2. ڈاکٹر ذاکر حسین کے تعلیمی کارناموں کا جائزہ لیجیے۔
3. ڈاکٹر ذاکر حسین کی شخصیت پر روشنی ڈالیے۔

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے ڈاکٹر ذاکر حسین کے تعلیمی کارناموں کا ایک خاکہ تیار کیجیے۔
2. کلاس کے طلبہ کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر حسین کی شخصیت پر ایک مذاکرہ کیجیے۔

نظم

نظم کے لغوی معنی، انتظام وترتیب یا آرائش، کے ہیں، عام مفہوم میں یہ لفظ نثر کے مدِ مقابل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد پوری شاعری ہوتی ہے اس میں وہ تمام اصناف اور اسالیب شامل ہوتے ہیں جو ہیئت کے اعتبار سے نثر نہیں ہیں، اصطلاحی معنوں میں غزل کے علاوہ تمام شاعری کو 'نظم' کہتے ہیں۔

عام طور پر نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بُنا جاتا ہے۔ خیال کا تدریجی ارتقا بھی نظم کی ایک خصوصیت ہے۔ یہ ارتقا طویل نظموں میں زیادہ واضح ہوتا ہے جب کہ مختصر نظموں میں ارتقا واضح نہیں ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر ایک تاثر کی شکل میں ابھرتا ہے۔

نظم کے لیے نہ تو ہیئت کی کوئی قید ہے اور نہ موضوعات کی۔ چناں چہ اردو میں غزل اور مثنوی کی ہیئت میں نظمیں اور آزاد و معرا نظمیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس طرح کوئی بھی موضوع نظم کا موضوع ہو سکتا ہے۔

ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ پابند نظم: پابند نظم ہم ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترکیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی جاتی ہے۔ نئے انداز کی ایسی نظمیں بھی، جن کے بندوں کی ساخت مروجہ ہیئتوں سے مختلف ہو یا جن کے مصرعوں میں قافیوں کی ترتیب مروجہ اصولوں کے مطابق نہ ہو، لیکن ان کے تمام مصرعے برابر کے ہوں اور ان میں قافیے کا کوئی نہ کوئی التزام پایا جائے، پابند نظم کہلاتی ہے۔

نظم معرا: نظم معرا ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس کے تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان میں قافیے کی پابندی نہ ہو۔ نظم معرا کو نظم عاری بھی کہا جاتا ہے۔

آزاد نظم: آزاد نظم ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں قافیے اور ردیف کی پابندی نہیں ہوتی اور اس کے ارکان بحر کم یا زیادہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں۔

نثری نظم : نثری نظم چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں نہ تو ردیف اور قافیے کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی بحر اور وزن کی۔

خواجہ الطاف حسین حالی

پورا نام خواجہ الطاف حسین تھا اور تخلص حالؔی کرتے تھے۔ ان کی پیدائش 1837ء میں ضلع کرنال کی مشہور جگہ پانی پت میں ہوئی۔ خواجہ ایزد بخش ان کے والد کا نام تھا۔ نو برس کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے ان کی پرورش کی۔ پانی پت کے مشہور حافظ ممتاز حسین کی نگرانی میں قرآن شریف حفظ کیا۔ حالؔی کی باضابطہ تعلیم نہیں ہوئی لیکن انھوں نے کچھ فارسی سید جعفر علی سے اور عربی صرف ونحو میں تعلیم حاجی ابراہیم حسین سے حاصل کی۔ ان کی شادی سترہ برس کی عمر (1854ء) میں اپنے ماموں میر باقر کی صاحب زادی اسلام النسا سے ہوئی۔ حالؔی کے معاشی حالات خراب تھے۔ انھوں نے دہلی آکر بے سروسامانی کے عالم میں علم حاصل کرنا شروع کیا۔ یہاں ان کی ملاقات غالب سے ہوئی۔ انھوں نے اپنی کچھ غزلیں غالب کو دکھائیں۔ غالب نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس وقت ان کا تخلص خستہ تھا۔

حالؔی 1856ء میں معاش کی تلاش میں نکلے اور انھیں حصار میں معمولی تنخواہ پر ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں جگہ ملی۔ کچھ دنوں کے بعد حالؔی پھر دلی آئے یہاں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہؔ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ان سے متاثر ہوکر اپنے بچوں کی اتالیقی ان کے سپرد کی۔ شیفتہؔ کے انتقال کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم ہوئے۔ حالؔی کی نظموں سے اردو میں نظم جدید کی راہ ہموار ہوئی۔ انھوں نے دلی کے اینگلو عربک اسکول میں تدریسی فرائض بھی انجام دیئے۔ حالؔی نے پانی پت میں ایک لائبریری بھی قائم کی۔

مولانا حالؔی اپنے دور کے ممتاز تنقید نگار اور شاعر کی حیثیت سے شہرت یافتہ ہیں۔ انھوں نے اردو میں تنقید نگاری کو باضابطہ ایک صنف ادب کی طرح متعارف کرایا۔ ان کی کتاب 'مقدمہ شعروشاعری' اردو میں باقاعدہ تنقید نگاری کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ تصنیف دراصل وہ مقدمہ ہے جو انھوں نے اپنے اہم شعری کارنامے 'مسدس حالؔی' کے پیش لفظ کے طور پر لکھا تھا۔ مسدس حالی 'مدوجزر اسلام' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ مسدس سرسید کی اصلاحی تحریک کے نتیجہ میں تخلیق کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خود سرسید نے اس کی خوب تعریف کی ہے۔

حالؔی نے نثر وشاعری کے دوسرے شعبوں میں بھی اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ غزل گوئی اور نظم نگاری کے ارتقاء میں بھی ان کی اہم خدمات رہی ہیں۔ انھوں نے سرسید کی سوانح بہ عنوان 'حیات جاوید' اور غالب کی سوانح بہ عنوان 'یادگار غالب' لکھ کر سوانح نگاری کی بھی ایک مضبوط روایت قائم کردی ہے۔ 31 دسمبر 1914 کو حالؔی کا انتقال ہوا اور پانی پت میں دفن ہوئے۔